فکر اقبال اور ہمارا تعلیمی نظام: عصرِ حاضر اور آئندہ لائحہ عمل

Iqbal's Philosophy & Our Education System: Addressing the Contemporary Age and Future Agenda

Najma Parveen
Government Graduate College for Women Samanabad, Lahore
najma.hassan.ali@gmail.com

Abstract

Knowledge encompasses both spiritual and material aspects of human formation. Quran has established knowledge as the basis for the healthy progress of human beings. Allama Iqbal values education alongside spiritual upbringing since both systems of education are intertwined. His theory of education is the same as the theory of education in Islam. This research investigates the enduring significance of Allama Iqbal's educational philosophy within the context of contemporary Muslim education. Employing a descriptive methodology, it draws on extensive literature reviews, primary texts of Allama Iqbal, and pertinent research materials to unveil Iqbal's profound insights into education and their relevance today. Iqbal's central tenet, "*Khudi*" or self-realization, underscores the belief that every individual possesses innate potential from Allah, and true leadership emanates from their realization. Iqbal's philosophy aligns with Islamic principles, emphasizing the holistic nature of education, encompassing both spiritual and material dimensions, and recognizing knowledge as the cornerstone of human progress. His era spotlighted the Muslim community's educational neglect as a primary cause of decline, and through his ideas, he reignited a passion for knowledge, critical thinking, and progress. In contemporary terms, it is imperative to bridge the schism between traditional and modern educational systems, underpinning curricula with Islamic literary principles, ensuring gender equality, and instating transparent examination processes. This study culminates in a call to action, urging the reformation of educational systems to foster ethical growth, equal access, academic integrity, and a vibrant culture of knowledge-seeking and innovation among today's youth.

Keywords: Iqbal, education system, child education, Quran, contemporary age

کلیدی الفاظ: اقبال، تعلیمی نظام، نوجوان مسلم، عصر حاضر، لائحہ عمل، سفارشات

علامہ اقبال کے افکار سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اقبال تعلیمی مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے۔ علامہ اقبال نے ایک معلم کی حیثیت سے تعلیمی نظام کو بہت قریب سے دیکھا۔ علامہ اقبال تعلیمی نظام، مدرسہ، استاد اور نصاب تمام حیثیتوں میں ہماری کسی نہ کسی نئے راستہ کی جانب راہنمائی کرتے ہیں۔ علامہ اقبال تعلیم کو تربیت کے ساتھ مربوط کرتے ہیں۔ چونکہ اقبال دونوں نظام ہائے تعلیم کے تربیت یافتہ تھے، اس لیے ان کا نظریہ تعلیم وہی ہے جو اسلام کا نظریہ ہے۔ وہ تعلیم کو تربیت کے بغیر نامکمل سمجھتے تھے۔ اسلام اس تعلیم پر زور دیتا ہے جو بندے کو صالح بنائے، طلباء کی فطری صلاحیتوں کو نکھارے اور ان کے اخلاقیات کی حفاظت کرے۔

علم انسان کی روحانی مادی تشکیل میں ترکیبی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن نے علم کو تہذیبِ انسانی کی صحت مند نشو ونما اور ارتقاء کی بنیاد قرار دیا ہے۔ عہد اقبال فرزندان اسلام کے لیے بڑا المناک اور پسماندگی کا دور تھا۔ علامہ اقبال نے اپنے افکار کے ذریعے مسلمانوں میں علم و آگہی کا تصور پیش کیا۔ علامہ اقبال نے علم و فن اور فروغِ فکر کی تفصیل و تکمیل کی جانب امت مسلمہ کو ناصرف راغب کیا بلکہ عملی طور پر حصہ لینے کی ترغیب بھی دی۔ اقبال نے جو فکری جاں فشاں محنت کی اس کا ایک پس منظر تھا جس کی عکاسی علامہ اقبال نے یوں کی ہے:

مرگ فرد از خشکی رود حیات
مرگ قوم از ترک مقصود حیات۱

(ایک فرد کی موت زندگی کے دریا کی خشکی سے ہے اور قوم کی موت زندگی کے مقصد کو ترک کرنے سے ہے۔)

علامہ اقبال کے تعلیم سے متعلق افکار و نظریات کس طرح مسلمانوں کے تعلیمی نظام اور خیالات پر اثرانداز ہوں گے ؟، خاص طور پر حصول علم، روحانی ترقی اور مسلمان امت کی عمومی ترقی کے حوالے سے جائزہ لیا جائے گا۔ اس تحقیق سے معلم و متعلم دونوں مستفید ہوسکتے ہیں۔ اس تحقیق کا منہج بیانیہ و تجزیاتی ہے، نیز بنیادی اور ثانوی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔

تعلیم عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مفہوم ہے جاننا، آگاہی اور کسی بات سے شناسائی اور واقفیت حاصل کرنا۔ اصطلاح میں علم سے مراد کسی شے کا ادراک حاصل کرنا۔ تعلیم کی مختلف تعریفات مندرجہ ذیل ہیں:۔

امام غزالی کے مطابق تعلیم معرفتِ حق اور حقیقت تک رسائی کا ذریعہ ہے جیسا کہ وہ احیائے علوم الدین میں لکھتے ہیں کہ "نبوت کے بعد اشرف اور افضل کام لوگوں کو ایسی تعلیم دینا، جو ان کے نفوس اذہان کو شعور بخشے اور ان کو مہلک عادتوں اور برائیوں سے بچاسکے، عمدہ اخلاق اور ہدایت کی راہ پر چلائے تعلیم سے مراد بھی یہی ہے"۔۲

ابن خلدون تعلیم کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں "عمرانی زندگی سے مراد غور وفکر اور تفکر کی بنیاد علم ہے۔ انسان فطری طور پر تعلیم کی طرف رغبت و میلان رکھتے ہیں اس لیے یہ ان کا بنیادی حق ہے"۔

شاہ ولی اللہ علم کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ علم وہ ذریعہ ہے جس سے غور و فکر کی عادت پختہ ہوتی ہے اور انسان کا ذہنی جمود ٹوٹتا ہے، علم انسان کو اس کے نفس کا عرفان عطا کرتا ہے۔ علم انسان کے اندر ایسی صلاحیت پیدا کرتا ہے جو انسانی زندگی کے عملی پہلوؤں کو متاثر کرتی ہیں۔ علم سے تنِ مسلم میں اسلامی روح بیدار ہوتی ہے۔ تعلیم کے مفہوم کے متعلق ماہرین تعلیم کی آراء نقل کرنے کے بعد پروفیسر محمد سلیم[1] لکھتے ہیں کہ فلسفۂ تعلیم کے یہ تمام ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ قومی نظام قابلِ انتقال نہیں ہے یہاں آپ درخت نہیں ہیں جسے کسی بھی دوسرے ملک میں جاکر اگایا جاسکتا ہو۔ ہر قوم کا اپنا نظام تعلیم ہے۔ تعلیم تصور جہانبانی اور اس کا نظریہ حیات اسی سرزمین پر پھوٹتا ہے، برگ وبار لاتا ہے اور پروان چڑھتا ہے۔۳

[1] ۔ پروفیسر محمد سلیم، ۱۹۲۲ء۔ ۲۰۰۰ء وہ ایک مذہبی اسکالر اور ماہر تعلیم تھے قیام پاکستان کے وقت وہ آل انڈیا مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ بعد ازاں وہ جماعت اسلامی سے منسلک ہوگئے انہوں نے شاہ ولی الدین اور نیٹلا کالج منصورہ سندھ میں پرنسپل کی حیثیت اپنے فرائض منصبی ادا کئے۔ ادارہ تحقیق اسلامی لاہور میں بحیثیت ڈائریکٹر اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔

محمد مصلح الدین[1] کے نزدیک تعلیم کی ایک جامع تعریف یوں ہو سکتی ہے کہ انسان کی خفیہ صلاحیتوں کو ابھار کر علم اشیاء کے حصول کے قابل بنایا جائے۔۴

شفیق الرحمن ہاشمی نظام[2] تعلیم کی ماہیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نظامِ تعلیم تین قسم کے عناصر کا مجموعہ ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں:

1. مادی
2. انسانی
3. ذہنی۵

مادی عناصر میں عمارات، ساز و سامان اور آلات تدریس شامل ہیں۔ انسانی عناصر استاد، طالب علم، سربراہ ادارہ اور افراد پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ذہنی عناصر تمام خیالات، تصورات، اقدار کا احاطہ کرتے ہیں جو معاشرے میں جاری و ساری ہوتے ہیں اور نظامِ تعلیم کو مختلف اجزاء میں مربوط کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ذہنی عناصر کی حیثیت بعنیہ وہی ہوتی ہے جو ایک زندہ جسم میں روح کو حاصل ہے۔ تعلیمی عمل کی ماہیت کے بارے میں جو متنوع تصورات ہیں ان میں تین تصورات درج ذیل ہیں:

1. تعلیم اگلی نسلوں کی طرف ثقافتی ورثے کی منتقلی کا عمل ہے۔
2. تعلیم فرد کے معاشرتی تسویہ (برابری) کا عمل ہے۔
3. تعلیم فرد کی تکمیل ذات کا عمل ہے۔

تعلیم ان تمام عناصر کا ایسا مجموعہ ہے جو باہم معاون، مربوط اور منظم ہو کر اسلامی مقاصد کے حصول کے لیے ایک وحدت کی حیثیت اختیار کرلیں۔ عناصر کا یہ مجموعہ اسلامی نظام تعلیم کہلائے گا۔

نظامِ تعلیم اور تاریخ وروایات

دور جدید کو تعلیم کے فروغ کے حوالے سے دیکھا جائے تو اسلام انسانی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ایک جامع مذہب کے طور پر ابھرا اور اس نے علم کے دائرے میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا آغاز کیا۔ اسلام انسانیت کی ابتدائے آفرینش کو جہالت نہیں بلکہ علم سے روشن بتاتا ہے۔ قرآن کی رو سے انسان کو تمام مخلوقات میں بہترین تصور کیا گیا ہے۔ علم پر یہ زور تہذیب کے ارتقاء اور نمو کے لیے اہم ہے۔ دوسرے مذاہب اور نظاموں کے برعکس جو تعلیم کو ایک ضرورت کے طور پر دیکھتے ہیں، اسلام اسے بنیادی اہمیت دیتا ہے۶۔ تعلیم اور اشاعتِ علم کی یہ اعلیٰ روایات مسلمان اپنے ساتھ ہر اس ملک میں لے گئے جہاں وہ بحیثیت فاتح یا بغرض تبلیغ و تجارت وغیرہ گئے۔ برصغیر میں اسلامی فتوحات کے پہلے دور یعنی سندھ ملتان کی فتح کے بعد اسلامی علوم کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس زمانے کے علماء وفضلاء کی فہرست پر نظر ڈالیں تو ہم پر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ درس و تدریس کا سلسلہ یہاں کس قدر وسیع تھا۔ ان علماء وفضلاء میں سے بعض نے بین الاقوامی شہرت بھی حاصل کی تھی ۔۷

[1] محمد مصلح الدین، ۱۹۱۸ء۔ ۱۹۸۳ء سقوط حیدر اباد دکن کے بعد پاکستان منتقل ہوگئے اور وصال تک تدریسی و علمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

[2] شفیق الرحمن ہاشمی ۱۹۲۰ء۔ ۲۰۰۰ء وہ اردو ادب کے ادیب تھے اکادمی ادبیات پاکستان کے چیئرمین رہے آپ ادبی حلقوں میں کافی معروف تھے۔

قدیم ہندوستان کی تاریخ میں صرف برہمن کو تعلیم کا کلّی استحقاق تھا۔ یہاں وید کا کوئی فقرہ اگر کسی شودر کے کان میں پڑ جاتا تو اس میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا۔۷ جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے ۸ کہ عصر حاضر میں امریکہ نام نہاد ترقی یافتہ مملکت کی بیس (۲۰) ریاستوں میں سیاہ فام اقوام کو اجازت نہیں کہ وہ سفید فام اقوام کے ساتھ ایک مدرسہ یا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر سکیں۔ لیکن عہد نبوی ﷺ کے نظام تعلیم کی یہ شان تھی کہ وہ ہر قسم کے نسلی تعصبات سے پاک تھا، جہاں مسجد نبوی میں ابو بکر اور عمر جیسے زعمائے قریش تعلیم پاتے تھے وہاں سلمان فارسی، بلال حبشی اور صہیب رومی علم و عرفان کی دولت سے بہرہ مند ہوئے۔ ایتھنز کے نظامِ تعلیم پر نظر ڈالیں تو یہاں صرف آزاد مرد ہی علم کے اجارہ دار تھے عورتیں، بچے، لونڈی، غلام دولت علم سے محروم تھے۔ ہندوستانی معاشرے میں آریہ جاتی کے برہمن مرد تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان کی عورتیں بچے بھی تعلیم سے بہرہ مند نہیں ہوسکتے تھے۔ بعثت نبوی کے وقت عرب میں پڑھے لکھے افراد کی تعداد بڑی محدود تھی ۹۔ خود یورپ میں پندرھویں صدی میں جا کر تعلیم کے لیے کامینس نے آواز اٹھائی کہ تعلیم ہر شخص کا پیدائشی حق ہے ۱۰۔ لیکن سید الکونین ﷺ نے تقریباً ایک ہزار برس پہلے تحصیلِ علم کو ہر مسلمان مرد و عورت کا فریضہ قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کا مقالۂ نگار رقم طراز ہے مسلمانوں کی تعلیم کے مقاصد میں یکساں تعلیمی مواقع کا تصور اور اس کی عمومی ترویج کا اصول شامل تھا، مقالہ نگار مزید لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعلیمی روایت کی اولین خصوصیت یہ تھی کہ تعلیم کو جمہوری کر دیا گیا۔ مسجد کی طرح مدرسہ میں بھی سب برابر تھے۔ یہ اصول قائم کر دیا گیا تھا کہ غریبوں کو بھی تعلیم دی جائے ۱۲۔ ازمنہ قدیم میں دنیا کی اکثر و بیشتر اقوام کسی دوسری قوم کے علماء اور دانشوروں کے افکار عالیہ سے علمی استفادہ کو پسند نہ کرتی تھیں، دوسری قوموں کی زبانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ عصرِ حاضر میں وطنیت و قومیت کے فتنے نے جہاں قوموں اور نسلوں کو اپنے علوم وفنون میں فخر کرنا سکھایا وہاں دوسری قوموں کے علوم و ادبیات سے لاتعلق و بے زار رکھا لیکن سید الانبیاء ﷺ نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی "الحکمۃ ضا لۃ المومن حیثما وجدھا، فھواحق بھا" ترجمہ: حکمت کی بات مومن کی گمشدہ میراث ہے جہاں کہیں سے اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔ ۱۳ سید عالم ﷺ نے انصار کے بچوں کو غیر مسلم جنگی قیدیوں سے تعلیم سیکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ۱۴ اس طرح کتب سیرت میں واقعہ بھی درج ہے کہ رسول ﷺ نے حضرت زید بن ثابت کو دوسری اقوام کی زبانیں سیکھنے کی ترغیب دلائی۔ ۱۵

حواس پر انحصار کرنے والے علوم کو عام طور پر "علم" کی اصطلاح میں شامل کیا جاتا ہے۔ یہ علم دین کے تابع ہونا چاہیے؛ دوسری صورت میں، یہ الحاد کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس کے مادیت پرستی اور شیطانیت کی طرف جھکاؤ کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ ہر قسم کے علوم کو اسلام کے تابع رکھنا لازم ہے۔ مسلمانوں پر کیونکہ تعلیم نہ صرف بنیادی حق ہے بلکہ ایک مذہبی فریضہ بھی ہے۔ مسلمانوں کے لیے، زندگی فانی دائرے سے باہر پھیلی ہوئی ہے، حقیقی لافانی زندگی موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلامی فکر کی تعلیمات میں دنیاوی اور ابدی دونوں پہلو مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ نے تعلیم کو انسانی دنیاوی اور دینی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے۔ قرآن میں تعلیم کی ضرورت و اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ "اقراءباسم ربک "۱۶ (ترجمہ: اپنے رب کے نام سے پڑھ) قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا جاننے اور نہ جاننے والے برابر ہوسکتے ہیں! نبی رحمت ﷺ کو پروردگار نے علم حاصل کرنے کی دعا سکھائی کہ "وقل رب زد نی علما" ۱۷ (اور کہو اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما)۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "اطلب العلم من المھد الی اللحد" ۱۸ (ترجمہ: علم حاصل کرو ماں کی گود سے لے کر قبر کی گود تک)۔

علم کے دو ذرائع

اسلامی تعلیمات میں تعلیم کو مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ انسانی فطرت کو بہتر بنانے اور تہذیب کو آگے بڑھانے کا کام کرتی ہے، جس کی رہنمائی قرآن وحدیث سے ہوتی ہے۔ علم دو ذرائع سے حاصل ہوتا ہے: عقل وحواس، اور ایمان ووجدان سے۔ اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ دونوں دائرے باہم متصادم نہیں بلکہ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔

جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ۱۹

اقبال چونکہ خود مغرب کے نظامِ تعلیم سے فارغ التحصیل تھے اس لیے وہ کیسے مسلمانوں کو مغربی تعلیم سے باز رہنے کی ترغیب دے سکتے تھے۔ البتہ انہوں نے فرنگیانہ تعلیم حاصل کرنے سے پہلے ایمان کو مضبوط و مستحکم کرنے پر زور دیا ہے۔

اقبال کا فلسفہ تعلیم

تعلیم کے نصب العین کا قوموں پر اثر و نفوذ کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ نصب العین تعلیم قوم کی اخلاقی تربیت میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ آج مغرب جس کشمکش حیات کا شکار ہے، الحادی تعلیم نے اس میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ الحادی تعلیم نے جہاں کئی نقصان کے بیج بوئے ہیں، وہیں انتشارِ فکر کا بھی اہتمام کیا۔ ان فرنگی نظریات کا اثر مسلمان نوجوانوں کے اذہان پر بھی ہوا۔ پھر بد قسمتی سے علاقائی حب الوطنی، نسلی ونسبی تعصب ابھر کر سامنے آیا اور نوجوانوں میں بے چینی پیدا ہوئی جس نے انھیں زورِ حیدری اور استغنائے عثمانی سے محروم کر دیا جس کی عکاسی اقبال یوں کرتے ہیں:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ۲۰

فکر اقبال کی روشنی میں تعلیم وتربیت

اقبال دونوں نظام ہائے تعلیم کو رد کرنے کے بعد اپنی قوم کے جوانوں کے لیے ایک ایسے نظامِ تعلیم کے خواہاں تھے جو نوجوانانِ مسلم کی خودی کی تربیت کر کے اسے مستحکم کرے۔ آپ کا فلسفۂ تعلیم آپ کے فلسفہ خودی کی ہی توسیع ہے۔ اقبال کا نظریہ تعلیم خودی کے تمام پہلوؤں کی پرورش پر منحصر ہے۔ یہ ہر پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہے، بشمول حواس، وجدان اور جذبہ۔ مزید برآں اس میں فطری روحانیت کو فروغ دینا اور فطری خواہشات کی تربیت کرنا بھی شامل ہے، اس سب کا مقصد افراد کو خدا کے حقیقی نائبین میں ڈھالنا ہے۔ اقبال نے اپنے فارسی شعری مجموعوں "اسرارِ خودی" اور "رموزِ بے خودی" میں اس نظام کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ علامہ اقبال کا نظریۂ خودی بھی انہی صفات کا عکاس تھا کہ مسلم نوجوان خود اعتمادی، خودداری، خود یقینی، خود بینی اور خود احتسابی جیسی تمام صفات سے متصف ہو اور وہ اتنا مضبوط ہو کہ دنیا کا کوئی لالچ یا دھمکی اسکے پائے ثبات کو متزلزل نہ کر سکے کیونکہ دنیا میں کسی انسان کو اپنا غلام بنانے کے لیے دو ہی طریقے استعمال کیے جاتے ہیں: ایک ترغیب یعنی لالچ دے کر

اور دوسر ترھیب یعنی ڈرادھمکا کر لوگ دوسروں کو اپنا غلام بنالیتے ہیں۔ اس لیے اقبال کے نزدیک اگر انسان کی خودی کی تربیت نہ ہوئی ہو تو وہ بڑی آسانی سے ان دونوں میں سے کسی جال میں پھنس جاتا ہے اور پھر اسکی زندگی کا سفر ناکامی کی طرف شروع ہو جاتا ہے۔ جو تعلیم ایسے اثرات مرتب کرے وہ علامہ اقبال کی نظر میں ناصرف بیکار بلکہ نقصان دہ ہے۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے، اسے پھیر۲۱

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صُورِ اسرافیل۲۲

قدیم وجدید دینی مدارس

اقبال کے نزدیک معیاری تعلیم کیسی ہونی چاہیے؟ علامہ اقبال نے اسکی وضاحت خواجہ غلام حسین کے خط میں کی ہے:

علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ایسی تعلیم جس سے طبعی قوت ہاتھ میں آتی ہو وہ دین کے تابع رہے۔ اگر دین کے ماتحت نہ ہو تو وہ محض شیطانیت ہے۔ ۲۳

علامہ اقبال کے مطابق قدیم دینی مدارس میں قرآن وحدیث کی تعلیم کا روایتی طریقہ شرعی احکام ومسائل سے آگاہی تو فراہم کرتا ہے تاہم طلباء دین کی روح سے آشنا نہیں ہو پاتے۔ ان کا نصاب کائنات کے مشاہدے اور تسخیر کائنات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ان مدارس سے فارغ التحصیل افراد اکثر جدید تقاضوں سے نمٹنے میں مسائل سے دوچار ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ ان اداروں نے کئی نامور علماء پیدا کیے جو دین کے راستے میں ہمیشہ برسرِپیکار رہے ہیں، لیکن ان مدارس سے تعلیم حاصل کرنے والوں کو اکثر "ملا" کا لقب دیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے انہیں اکثر تنگ نظر، متعصب، جاہل اور رجعت پسند سمجھا جاتا ہے۔ "بال جبریل" میں اقبال کی نظم "ملا" انہی مشاہدات کی عکاسی کرتی ہے۔

مَیں بھی حاضر تھا وہاں، ضبطِ سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرتِ مُلّا کو مِلا حکمِ بہشت
عرض کی مَیں نے، الٰہی! مری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حُور و شراب و لبِ کشت ۲۴

اقبال اس لیے ملا سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے کہ وہ دین کی حرارت اور روح سے بیگانہ ہو کر نماز، روزہ رسمی سی عبادات تک محدود ہو کر رہ گئے۔ ان میں روحِ شبیری مفقود تھی۔ حیاتِ جاوداں کے اعلیٰ مقام تک وہ پہنچ نہیں رہے تھے جو کہ دینِ اسلام کا نصب العین ہے۔

اُٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی، نہ محبّت، نہ معرفت، نہ نگاہ! ۲۵

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام! ۲۶

اقبال کو اپنے علماء و مشائخ سے امید تھی کہ یہ انکا علمی تقاضا بھی ہے کہ وہ اپنی قوم کے نوجوانوں کی صحیح خطوط پر اصلاح اور تعلیم و تربیت کریں، اس لیے تمام تر مایوسیوں کے باوجود علامہ اقبال یہ دعوت دیتے نظر آتے ہیں:

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی، خود نگری کا ۲۷

فکر اقبال کی روشنی میں تعلیم کے مقاصد

علامہ اقبال نے اس گمراہ کن اور فتنہ پرور دور میں مسلمانوں کے سامنے تعلیم کا وہ مقصد بیان کیا جو خالق کائنات کی جانب سے بنی نوع انسان کے لیے بیان ہوا تھا۔ قرآن میں سینکڑوں مقامات پر مختلف النوع لہجہ اپناتے ہوئے انسان کو کائنات کے مطالعہ اور اس کی تسخیر پر زور دیا گیا ہے۔ اقبال اسی اندازِ فکر کو تعلیم کا بنیادی مقصد قرار دیتے ہیں۔ آپ نے مسلمانانِ عالم، خاص کر ہند کے مسلمانوں کو بیدار کیا کہ وہ قرآنی تعلیم کے ہر پہلو کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیں جیسے ان کے اسلاف نے اپنایا تھا۔ اقبال نے اپنے اشعار میں کلام ربانی کو بڑے خوبصورت انداز سے پیش کیا اور وہی راہ دکھلائی جو ان کو رب کائنات نے دکھائی تھی۔

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سُورج کو ذرا دیکھ ۲۸

مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فِطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحَر کر! ۲۹

اقبال کی تعلیمی فکر کا مقصد مسلمانوں کو مذہب اور نظریہ حیات کی تفہیم و آگہی دے کر دنیا میں اپنے فرائض زندگی کو احسن طریقہ سے نبھانے کے قابل بنانا ہے۔ اقبال تعلیم و تربیت کے جس نظامِ عمل کا اہتمام کروانا چاہتے تھے ان کے نثری و نظمی کلام کے مطالعہ کے بعد اختصاصی طور پر اس کو آئندہ کے لائحہ عمل کے طور پر کچھ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

1. تحقیق و جستجو اور تسخیرِ کائنات کے جذبہ کو ابھارنا تاکہ احکامِ خداوندی کی تکمیل ہو۔
2. آزادی فکر کی ترغیب دینا اور حاصل شدہ علم سے مسلمانوں کے مسائلِ زیست حل کرنا۔
3. تعلیمی مشاغل کو سنِ شعور کی دلچسپیوں سے ربط میں رکھنا۔ تہذیبی و ثقافتی اور جمالیاتی ذوق کو طلبا میں پروان چڑھانا۔
4. جسمانی و ذہنی صحت کی نشوونما کی طرف خصوصی توجہ دینا تاکہ مثبت فکر معاشرے کا ضروری جزو بن سکے۔
5. طلباء میں محنت، ایمانداری اور ضبطِ نفس کی خصوصیات پروان چڑھ سکیں۔
6. سماجی ذمہ داریوں اور معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی ترغیب دینا۔
7. خدمت خلق، آپس میں ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرنا۔

8. علمی سرگرمیاں اور ماحول کو تعلیمی اصول وضوابط سے مزین کرنا۔

9. مدارس میں تنظیم واتحاد کی فضا پیدا کرنا جس سے طلباء میں راہنمائی قوم کی صلاحیت پیدا ہو۔

10. تعلیم کی تشکیل وراہنمائی اسلامی اصول وضوابط پر کرنا تاکہ اسلامی تہذیب وثقافت کی اقدار نمایاں طور پر سامنے آئیں۔۳۰

علامہ اقبال کا نظریہ تعلیم ہی یہ ہے کہ انسان کے فکر وعمل، سیرت وکردار اور گفتار واخلاق کی ایسی تربیت ہو جائے کہ وہ تمام انسانوں کے لیے مفید ثابت ہو اور دوسری بات اس میں یہ ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ وہ تعلیم انسان کی مادی اور روحانی دونوں ضرورتوں کو بیک وقت پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو اور اسے ایک طرف دنیا میں ایک کامیاب انسان دیکھا جاسکے اور دوسری طرف آخرت کے اعتبار سے بھی اسے ایک کامیاب انسان تصور کیا جاسکے۔ جب تعلیم کا مطمع نظر ان دونوں مقاصد کا حصول ہو گا تو ایسی صورت میں نوجوان نسل اپنے زمانے کے پیش آمدہ مسائل کو خوش اسلوبی سے حل کر سکے گی۔

مروجہ نظام ہائے تعلیم کے اثرات

جب ہم تعلیم کی بات کرتے ہیں تو ہمارے پیش نظر کوئی نہ کوئی ایک مروج نظام تعلیم ہوتا ہے، چاہے وہ دینی مدارس کا نظام تعلیم ہو یا پھر سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا نظام تعلیم۔ یہ تعلیم صلاحیت یا عمر کی مناسبت سے دی جاتی ہے۔ تعلیمی نصاب درجہ بندی اور مرتبہ نصاب کے مطابق تدریس اور تعلیمی لحاظ سے ادارے کی سرگرمی میں منہج کی ذمہ داری انجام دیتا ہے۔ تعلیم و تدریس کا دائرہ کار اس طرح محدود کرنا موزوں نہیں۔ماہرین تعلیم تعلیمی اداروں کے تین مقاصد بیان کرتے ہیں:

1. عوام کے ذوق اور ادبیات کی ترقی وترویج

2. تعلیمی اداروں کے تمام مدارج میں تدریس کا اعلیٰ ویکساں معیار قائم کرنا

3. امتحانات کے انعقاد کے ذریعے مقاصد واہداف کی طرف پیش رفت کا جائزہ۳۱

لیکن اگر جدید دور کے انتظامی تقاضوں اور اعداد وشمار کے سائنسی طریقہ کار کو مد نظر رکھا جائے تو تعلیم کی اصطلاح سے یہی شعبہ مراد ہے۔ علامہ اقبال نے مذہبی اداروں اور مدرسوں میں مغربی نقطہ نظر سے وضع کردہ نظام تعلیم کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا۔ ایک سماجی فلسفی اور مفکر ہونے کے ناطے علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مزید برآں آپ کے خیالات پر عوام بھروسہ کرتے ہیں۔ نیز آپ کے افکار و نظریات پر مسلکی اور علاقائی چھاپ نہیں جو ایک معجزاتی بات ہے۔

علامہ اقبال نے تعلیم کے عملی پہلوؤں پر کچھ نہیں لکھا لیکن ان کے افکار سے قرآنی تعلیمی نقطہ نظر اخذ کیا جاسکتا ہے جسے ضم کر دیا جائے تو ایک موثر اسلامی نظامِ تعلیم تشکیل دیا جاسکتا ہے۔ اقبال کے فلسفے اور افکار میں تعلیم کو خاص مقام حاصل ہے۔ انہوں نے تعلیم کے سماجی اثرات، اس کی ساخت، مقاصد اور معیار پر بحث کی ہے۔ وہ خود دونوں نظاموں کے تعلیم یافتہ تھے۔ وہ سرسید کے خواستگار تعلیم مسلمانان کے طرز پر تعلیمی اداروں کے حق میں تھے، یہی ان کے نزدیک قومی تعلیم کا آئیڈیل تھا۔ اگر ہم موجودہ دور کے دونوں مروجہ تعلیمی نظاموں (مغربی طرز پر قائم کردہ سکول اور مدارس) پر تنقیدی نظر ڈالیں جیسے علامہ اقبال نے انھیں محسوس کیا تو ہم اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ علامہ اقبال ان دونوں نظاموں سے کوئی زیادہ خوش نہیں تھے کیونکہ ایک نظام مغرب کا دیا ہوا تھا اور دوسرے نظام میں وہ فکری وسعت ناپید تھی جس کی امت اسلامیہ کو

شدید ضرورت ہے۔ علامہ اقبال کا مطلوبہ نظام تعلیم علوم قدیمہ وجدیدہ کا امتزاج ہے جس میں اسلامی روح بھی کارفرما ہو اور دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کا سامنا کرنے کی بھی طاقت ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسا نظام تعلیم ہی امتِ اسلامیہ کی سیاسی، معاشی، معاشرتی، اور دینی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے کیونکہ اگر ہم امت اسلامیہ کے سنہری دور کی طرف دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں نظام تعلیم ایسا تھا کہ بیک وقت مسلم علماء سائنسدان بھی ہوتے تھے جس کی وجہ سے انکی دینی اور دنیاوی دونوں آنکھیں روشن ہوتی تھیں۔ اس وجہ سے وہ دین اسلام کے صحیح نمائندے بن کر اسلام کی ترویج واشاعت میں مصروف رہتے تھے۔ اسی وجہ سے اسلام کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی حاصل ہوئی۔ اصل میں علامہ اقبال اسی دور کا وقار بحال کرنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کی ترقی کا جو گراف اس دور میں تھا اسکا اعادہ کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے ایک کتاب لکھی تھی جو کہ انگریزی زبان میں تھی، اردو میں کا عنوان تھا "اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیلِ جدید"۔ اس میں انہوں نے مسلمانوں کو اسی بات کی طرف توجہ دلائی کہ وہ حرکت وعمل کی طرف متوجہ ہو جائیں، جمود کو خیر آباد کہہ دیں، سستی اور کاہلی کو اپنے قریب نہ آنے دیں، جفاکشی کی زندگی گزاریں، علم سے محبت کریں اور علم کی دنیا میں اپنا سکہ منوائیں۔ نیز دوسری طرف اپنے خالق ومالک کی یاد اور اسکی اطاعت کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں۔ اس طرح دنیا کی کوئی بھی طاقت انہیں غلام نہیں بنا سکتی اور نہ ہی انہیں کسی میدان میں شکست دے سکتی ہے۔

ہماری تعلیم صحیح معنوں میں اس وقت شروع ہو گی جب ہم اس پر مختار ہوں گے، یونیورسٹی کی تعلیم کو ذہنی غلامی سے آزاد کرنا ہو گا۔ جب ہم اپنی قوم میں تعلیم اس طرح عام کریں گے کہ فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں، نیچرل سائنس ہمارے بائیں ہاتھ میں، اور "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا عقیدہ ہمارے دلوں میں مضبوطی سے جم ہو گا تو ہم اپنی مسلم قوم بلکہ پوری دنیا کی قیادت صحیح معنوں میں خود کر سکیں گے۔ سب سے بڑھ کر ہمارا مقصد مسلمانوں کی قومیت، قومی اتحاد اور قومی یکجہتی کا تحفظ ہے جو کہ قومی ترقی کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی دی جائے۔

علامہ اقبال نے اپنی زندگی کے آخری دور میں تعلیم کے موضوع کو خصوصی اہمیت دی۔ انہوں نے ضرب کلیم کا ایک حصہ تعلیم و تربیت کے موضوع پر مختص کیا، جس میں انہوں نے تعلیم کے حقیقی جوہر اور اس کے مقاصد کو واضح کرنے والے متعدد اشعار لکھے۔ علامہ اقبال کے نزدیک تعلیم بچے کی تربیت اور تکمیل شخصیت کا وہ روشن نشان ہے جس کی اچھی اور مثالی نشوونما آئندہ آنے والے ادوار میں درخشاں مستقبل کی نوید ہے۔ آج کا بچہ کل کا وہ نوجوان ہے جس کے ہاتھ میں مملکت کی باگ ڈور ہو گی۔ اور معاشرتی ارتقاء کا کلیتاً انحصار اس کی ذات کا مرکز ہو گا۔ اقبال نے ایک ماہر تعلیم کی طرح نفسیاتی نکتہ نظر سے بچے کی فطرت کو سمجھتے ہوئے اور علم نفسیات کے اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی تربیت کے قواعد وضوابط مقرر کیے۔ اقبال کے اس عمل کو ان کی غیر معمولی ذہانت اور عقل وفہم کا ذخیرہ وثمر قرار دیا جا سکتا ہے۔ علامہ نے بچے کی ابتدائی تعلیم کو عقیدے کی بنیاد پر استوار کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے تدریس کے جو زریں اصول تعلیمی دنیا کو دیے، ان کو خود علامہ نے اپنے دور میں بڑی اچھی طرح برتا۔ اقبال کی اجتہادی فکر سے اخذ کردہ بنیادی اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ بچے کی تعلیم کو اس کے سابقہ علم سے ہم آہنگ کیا جائے اور اس کے اسباق کو اس کے مطابق ترتیب دیا جائے۔ پیچیدہ تصورات کو بتدریج متعارف کرایا جانا چاہیے تاکہ نوجوان ذہن کو مواد کو سمجھنے اور یاد کرنے میں آسانی ہو۔ اقبال نے ماہنامہ مخزن میں بچوں کی تعلیم وتربیت کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا جو کمسن اذھان کے معلمین کے لئے نشان منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۳۲

علامہ اقبال کے نزدیک علم بے فائدہ ہے اگر وہ روشن دماغ کے اندر تجسس اور اضطراب پیدا کرنے میں ناکام ہو جائے۔ صرف کتابوں کا مطالعہ فکری پرواز چڑھانے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ان امور پر بحث کرنے کا ہمارا مقصد بچپن کے نقطہ نظر سے علمی اصولوں کو تلاش کرنا، بچوں میں ظاہر ہونے والی بنیادی مہارتوں کی نشاندہی کرنا اور ان کی تعلیم و تربیت کے لیے مناسب طریقہ کار کا تعین کرنا ہے۔ ہم ایک ایسا طریقہ پیش کرنے کی خواہش رکھتے ہیں جو محض نظریاتی نہ ہو بلکہ عملی ہو، جو بچوں کی تعلیم کے لیے سیدھے اور قابل رسائی اصول پیش کرے، جو عام آدمی کے لیے بھی قابل فہم ہوں، تاکہ وہ ان اصولوں کو اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم میں مؤثر طریقے سے لاگو کر سکے۔ کیونکہ

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا میرود دیوار کج۳۳

(جب معمار پہلی اینٹ ٹیڑھی لگاتا ہے تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی جاتی ہے۔)

اب معلوم ہوا کہ تعلیم و تربیت میں استاد ہی بنیادی اساس رکھتا ہے جب ہم اقبال کے تعلیمی افکار و نظریات پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں استاد کا درجہ ایک اہم ستون کا ہے جو کسی بھی قوم کو بنا سنوار سکتا ہے۔ معلم اول خود رب ذوالجلال ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ایک استاد کے کردار میں بھیجا۔ جہاں والدین بچے کو عدم سے وجود میں لاتے ہیں، یہ استاد کی تعلیم اور رہنمائی ہی ہے جو بچے کو زمین سے بلند کر کے علم کے تخت تک پہنچاتی ہے۔ استاد کا فرض بچے کی ذہنی، اخلاقی اور مذہبی تعلیم بھی ہے۔

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر
جس کی صنعت ہے رُوحِ انسانی۳۴

استاد کا اخلاق اور کردار بچوں کے لیے رول ماڈل کا کام کرتا ہے۔ اس لیے اگر استاد ذہین، نیک اور صالح ہو گا تو بچے مثبت طور پر متاثر ہوں گے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اچھے لوگوں کی صحبت سے نیکی پیدا ہوتی ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی کے مطابق، اسلامی نظام تعلیم کا مقصد ایسے افراد کی تربیت کرنا ہے جو صالح، نیک اور قرآن پر عبور رکھتے ہوں ساتھ ہی انہیں عصری ترقیات اور انقلابات سے بھی آگاہ ہونا چاہیے۔ استاد کو ان خوبیوں کی عملی تصویر ہونا چاہیے۔۳۵

مذکورہ بالا بیان میں بچوں کی تعلیم کے لیے جو بنیادی اصول ایک معلم کے ہاتھ آتے ہیں وہ یہ ہیں: پہلے اس امر کا تجزیہ کرے وہ کون سی صلاحیتیں ہیں جو ابتدائی ظہور کی شکل میں بچوں میں نمودار ہوتی ہیں۔ اگر وہ اس تجربہ میں کامیاب رہا تو اس کے لئے تدریسی عمل آسان تر صورت اختیار کر جائے گا جس سے معلم و متعلم دونوں پر اثرات مرتب ہوں گے۔

تعلیم کے مقاصد کو فکر اقبال کی روشنی میں دیکھا جائے تو علامہ اقبال دوران تدریس بچوں پر جبر و تشدد کے خلاف تھے بلکہ انہوں نے تعلیم و تربیت کے دوران پیار و محبت اور پدرانہ شفقت پر زور دیا ہے۔ علامہ صاحب نے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ تعلیم کے سلسلے میں بچوں پر تشدد اور غصہ ان کی طبعیت میں الجھاؤ اور چڑچڑاپن پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے ایک اہم نکتہ معلم و والدین کے لیے ضروری ہے کہ اپنے شاگرد و اولاد کے درمیان شفقت و نرمی کو فروغ دیں۔ اقبال کی نگاہ میں بچہ کا سن بلوغت بہت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ اس بات زور دیتے ہیں کہ بچے کی تمام تعلیمی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ تعلیم کا مقصد زیادہ سے زیادہ ایسے اسباب پیدا کرنا ہے اور بچوں کے پاس ایسے نیک لوگ

جمع کرنا ہے جن کی صحبت سے طبعیت نیکی کی طرف مائل ہو۔ جس تعلیم سے تربیت نہ ہو اور افراد قوم نہ بن سکیں، وہ تعلیم در حقیقت قدر کے لائق نہیں۔ رسمی تعلیم کے ساتھ تربیت اور قومیت کا احساس نہ ہو تو ہم قوم کو قوم نہیں بنا سکتے۔

علامہ اقبال کے دورِ حیات میں آج کی طرح دونوں نظام ہائے تعلیم پہلو بہ پہلو رائج تھے۔ علامہ اپنے نظریات و افکار میں، نثری ہوں یا نظمی، مدرسہ و مکتب اور اساتذۂ علم کو بڑے گہرے انداز میں بیان کیا ہے۔ ہر قوم کے نونہالوں کی سیرت و کردار کی تعمیر و ترقی انہی افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ قدیم دینی مدراس کا نظام جو کہ صدیوں سے ایک ہی ڈگر پر چل رہا تھا عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنا ان کے ایجنڈے میں شامل نہیں تھا۔ وقت و حالات کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ دوسرا نظام انگریزوں کا رائج کردہ تھا جس کا مقصد نوجوانوں کو حاکم کی مشینری کے سانچے میں ڈھالنا تھا۔ علامہ صاحب ان دونوں پر تنقید کرتے ہیں۔ علامہ کے نزدیک نوجوانوں کو بچپن سے تعمیر کا رویہ اختیار کرنا چاہیے جس سے ٹکرا کر جدید تہذیب کے منفی اور غیر اخلاقی اثرات کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن حقیقت میں مروجہ تعلیمی نظام ایسا تھا جو انسان کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کو نکھارنے میں ناکام تھا۔ چنانچہ علامہ اقبال اس صورت حال کو اس لہجہ میں بیان کرتے ہیں:

شکایت ہے مجھے یا رب! خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا ۳۶

اسی موضوع پر آپ اس طرح اظہار بھی کرتے نظر آتے ہیں:

مقصد ہو اگر تربیتِ لعلِ بدخشاں
بے سُود ہے بھٹکے ہُوئے خورشید کا پر تَو
دُنیا ہے روایات کے پھندوں میں گرفتار
کیا مَدرسہ، کیا مدرسے والوں کی تگ و دَو!
کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کُہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو! ۳۷

فکرِ اقبال کی روشنی میں تخصصات تعلیم

علامہ اقبال نے اساتذہ کی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ تعلیم کے مقاصد کو پیش نظر رکھیں جس سے نسل نو کی تعمیر مثبت طریقے پر ہو اور پختگی کردار مثالی ہو۔ علامہ اقبال کے مقالہ سے اقتباس رقم کریں تو اس سے اس کی اہمیت پر مزید روشنی پڑے گی:

> قومی عروج کی جڑ بچوں کی تعلیم ہے۔ حقیقی انسانیت یہ ہے کہ انسان کو اپنے فرائض سے پوری آگاہی ہو اور وہ اپنے آپ کو ایک عظیم الشان درخت محسوس کرے جس کی جڑ تو زمین میں ہو مگر اس کی شاخیں آسمان کے دامن کو چھوتی ہوں۔ جو لوگ بچوں کے تعلیم و تربیت میں درست علمی اصولوں کو مد نظر نہیں رکھتے وہ اپنی نادانی سے سوسائٹی کے حقوق پر ظالمانہ دست درازی کرتے ہیں۔ بچہ ایک منظم ہستی نہیں بلکہ سراپا ایک محرک ہستی ہے جس کی ہر طفلانہ حرکت سے کوئی نہ کوئی فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اس میں ضروری ہے کہ استاد کا کردار مثالی ہو۔ معلم حقیقت میں قوم کے محافظ ہیں کیونکہ آئندہ نسلوں کو سنوارنا اور ان کو ملک کی خدمت کے قابل بنانا ان ہی کی

> قوت میں ہے۔ فرضِ علم تمام فرائض سے مشکل اور اہم ہے۔ تعلیم پیشہ اصحاب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیشہ کے تقدس اور بزرگی کے لحاظ سے اپنے طریقِ تعلیم کو اعلیٰ درجہ کے علمی اصولوں پر قائم کریں۔۳۸

اس اقتباس کی روشنی میں دیکھا جائے تو علامہ اقبال ان اصول وضوابط کے تحت ایک بچے کی تربیت کے خواہاں ہیں۔ اقبال نے بچوں کے ادوار زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے جس میں پہلا دور کمسنی کا دور ہے، دوسرا سن بلوغت کا عرصہ ہے اور تیسرا عہد نوجوانی کا ہے۔ علامہ اقبال نے جوانی کے عہد کو اہمیت دیتے ہوئے اپنے کلام کا بنیادی مخاطب بنایا ہے۔ اقبال نے جوانوں میں اعلیٰ خصوصیات پیدا کرنے کی خاطر اپنے کلام میں اسے شاہین کے نام نوازتے ہوئے اسے اسکے فرائض سے آگاہ کیا۔ یہ نصیحتیں علامہ کے کلام میں جابجا نظر آتی ہیں جیسے کہ

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کِیا تُو نے
وہ کیا گردُوں تھا تُو جس کا ہے اک ٹُوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبّت میں
کُچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا۳۹

علامہ اقبال کی نگاہ میں نظامِ تعلیم ایک ایسی مثالی قوت کا نام ہے جو معاشرہ کے ڈھانچے کو بنیادی تبدیلیوں کے ساتھ نئے اصول و قوانین کے اشتراکی عمل سے تعمیر کرتی ہے۔ بشرطیکہ ان تبدیلیوں کے ساتھ وہ اسلامی نکتہ اجتہاد سے باہر نہ نکلیں۔ اسلام ایک ایسے نظامِ تعلیم کو فروغ دینے پر زور دیتا ہے جو انسان کو محنت ومشقت کے ساتھ روزی کمانے کے قابل بھی بنا سکے۔ اس کے دل میں محنت کی عظمت کو اجاگر کرے۔ یہ بھی اہم ہے کہ تعلیمی درسگاہوں میں تعلیم یافتہ افراد جدید دور کی ضروریات ومتقضات سے بھی واقف ہوں تاکہ دین اسلام کو جدید دنیا کے سامنے موثر انداز میں پیش کر سکیں۔ علامہ اقبال کی نظر میں تعلیم کا حقیقی مقصد انسان کی سیرت و کردار کی تعمیر کرنا ہے اور انسان میں تسخیرِ کائنات کی قوت پیدا کرنا ہے۔ روحانی اور مادی تعلیم دونوں ہی لازم وملزوم ہیں۔ تعلیم کا فرض ہے کہ تن و من دونوں کی ضروریات کو یکساں اہمیت دے۔ اقبال مسلمانوں کو مجسم اوصاف حمیدہ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان مقاصدہائے تعلیم کو روشناس کرایا جائے جنکی صداقت سے انکار ممکن نہیں کہ فرنگی تعلیم نے ہندوستان کے مسلمانوں کو جس بحرانی کیفیت میں مبتلا کیا تھا اس کے مداوے کے لئے یقیناً اقبال سے بڑھ کر معلمِ اسلامی کا کردار کوئی ادا نہیں کر سکتا تھا۔

نتائج وسفارشات

آئندہ کے لیے لائحہ عمل میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- تعلیمی پالیسی کی باگ ڈور ایسے افراد کے ہاتھ میں دیں جن میں نظریہ پاکستان واضح ہو اور جو اسلامی فکر رکھتے ہوں، اسلامی نظام تعلیم پر دسترس رکھتے ہوں اور اس کے قائم کرنے میں بھرپور کردار ادا کرسکیں۔
- مقاصدِ تعلیم اور نصاب تعلیم کی تدوین وترتیب اس طرح کی جائے کہ تمام افراد چاہے وہ ڈاکٹر ہوں یا انجینیر، استاد ہوں، وکیل یا تاجر، یا کسی اور شعبۂ زندگی سے تعلق رکھتے ہوں ان کی ضروریات پوری ہوں اور تزکیہ نفس میں کتاب وحکمت کی تعلیم کو اساسی حیثیت حاصل ہو۔

- نظام تعلیم کو اس طرح مربوط کیا جائے کہ قدیم اور جدید نظام تعلیم کی تفریق ختم ہو جائے۔ اس کے باہمی ربط کی بنیاد اسلامی اصولوں پر ہونی چاہیے۔
- تعلیم کے حصول کی نوعیت مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہو۔ ہمارے تعلیمی نظام میں ایسی مسلمان قوم وجود میں لانے کی قابلیت ہو جو جدید تقاضوں کو پورا کر سکے، دنیا کے سامنے اس فطری نظام زندگی کا عملی مظاہرہ کر سکے جو خود خالق کائنات نے بنی نوع انسان کے لیے مقرر فرمایا۔
- طبقاتی تفریق سے پیدا شدہ مختلف تعلیمی نظاموں کو چھوڑ کر مساوی نظام تعلیم تشکیل دیا جائے۔
- امتحانی نظام کو بدعنوانیوں اور خرابیوں کو دور کر کے شفاف بنایا جائے۔
- آئندہ نسلوں کا مستقبل تابناک بنانے کے لیے اسلامی نظام رائج کریں اور دوسروں کی غلامی کا طوق گلے سے اتار پھینکیں، بقول علامہ اقبالؒ

یادِ عہدِ رفتہ میری خاک کو اِکسیر ہے
میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے۴۰

حوالہ جات

۱۔ اسرار رموز کلیات اقبال مکتب جمال حسن مارکیٹ اردو بازار لاہور ص۱۱۸

۲۔ ابو حامد الغزالی محمد امام حجتہ الاسلام، مترجم مولانا ندیم ابو اہدی احیاء علوم الدین، دارالاشاعت اردو بازار کراچی ص ۴۴

۳۔ محمد سلیم، پروفیسر قرآن کا تصور تعلیم احباب پبلیکیشنز لاہور ص ۲۰

۴۔ محمد مصلح الدین، اسلامی تعلیم اور اس کی سرگذشت اسلامک پبلی کیشنز لاہور ص ۱۵

۵۔ شفیق الرحمن ہاشمی تعلیم اور تعلیمی نظریات مکتبہ عالیہ لاہور ص۱۵۔۱۶

۶۔ خورشید احمد نظام تعلیم نظریہ روایت و مسائل انسیٹیوٹ پالیسی اف سٹڈیز اسلام آباد سن ص ۱۵

۷۔ براون Brown E.G. 1951 Literacy History of Persia. Cambridge University Press
1951ص باب دوم

۸۔ انسائیکلوپیڈ برٹینیکا ض ۷ ص ۱۰۱۲

۹۔ شبیر احمد، خان غوری ۱۹۸۴ علم و تہذیب کی ترقی میں معارف محمدی کا حصہ نقوش رسول نمبر
)ء(۱۳۰ ص ۵۱۸

۱۰۔ سعید اختر پروفیسر ہمارا نظام تعلیم)الجزاء الاول (عہد نبوی سے ترکان عثمانی کے دور تک ۱۹۸۸ ص ۸۸

۱۱۔ ابن ماجہ االسنن، کتاب السنتہ باب فضل العلماء والحث علی طالب العلم ص ۴۳ ح ۲۲۴

۱۲۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ج ۶، ص ۳۳۲

۱۳۔ الترمذی الجامع ابواب باب فی فضل الفقتہ علی ص ۶۱۰ ج ۲۶۸۷

۱۴۔ عبد الحیی۔ الکتانی ۲۰۰۱ نظام الحکومیہ النبویہ بیروت دار الکتب العلمیتہ ص ۱۳۱

۱۵۔ الترمذی، الجامع ابواب الاستذان، باب ماجاء فی تعلیم الربانیہ ص ۶۱۵ ح ۲۷۱۵

۱۶۔ سورہ العلق ۹۶:۱

۱۷۔ طہ ۲۶:۱۱۴

۱۸۔حاجی خلیفہ مصطفی بن عبد اللہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون بیروت دار احیاء التراث العربی ج ا ص ۵۱

۱۹۔ضرب کلیم، کلیات اقبال مکتبہ جمال اردو بازار لاہور ص ۹۵۴

۲۰۔بانگ دراکلیات اقبال مکتبہ جمال حسن مارکیٹ اردو بازار لاہور ص۲۰۹ س

۲۱۔ضرب کلیم کلیات اقبال مکتب جمال حسن مارکیٹ اردو بازار لاہور ص ۱۲۷

۲۲۔بال جبریل کلیات اقبال مکتب جمال حسن مارکیٹ اردو بازار لاہور ص ۶۴

۲۳۔محمد اقبال علامہ۔ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ شیخ غلام اینڈ سنز لاہور ص ۱۹۳

۲۴۔بال جبریل ص ۴۶

۲۵۔ضرب کلیم ص ۲۵

۲۶۔بال جبریل کلیات اقبال مکتب جمال تیسری منزل حسن مارکیٹ اردو بازار لاہور ۱۱۷

۲۷۔بال جبریل کلیات اقبال مکتب جمال حسن مارکیٹ اردو بازار لاہور ص ۶۱۲

۲۸۔ضرب کلیم کلیات اقبال مکتب جمال اردو بازار لاہور ص ۹۱۱

۲۹۔بال جبریل کلیات اقبال مکتب جمال اردو بازار لاہور ص ۱۷۸

۳۰۔ضرب کلیم کلیات اقبال مکتب جمال اردو بازار لاہور ص ۴۱۰۷

۳۱۔علامہ اقبال مترجم)سید نذیر نیازی (تشکیل جدید الہیات اسلامیہ بزم اقبال نرسنگھ گارڈن کلب روڈ لاہور

۳۲۔تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان ہند پنجاب یونیورسٹی لاہور ص:۴۔۱۶

۳۳۔ایم علی شیخ نظریات وافکار اقبال نیشنل بک فاونڈیشن لاہور، ص ۲۲۲۔۲۲۳۶

۳۴۔مخزن جنوری ۱۹۰۳ اردو مقالہ مرتبہ سید الواحد

۳۵۔یوسف القرضاوی اسلامی نظام کے خدوخال مترجم ابو الظفر انصاری ادارہ دراسات اسلامیہ لاہ، ۱۹۸۸ و ص ۲۲

۳۶۔بال جبریل کلیات اقبال مکتب جمال اردو بازار لاہور ص ۳۲

۳۷۔جاوید نامہ اقبال اکادمی، پاکستان ۱۱۴ میکلو روڈ لاہور ا ص ۲۵

۳۸۔ضرب کلیم کلیات اقبال مکتب جمال اردو بازار لاہور ص ۸۴

۳۹۔ایم علی شیخ نظریات وافکار اقبال نیشنل بک فاونڈیشن لاہور ص ۲۲۲۔۲۲۳

۴۰۔بانگ درا مکتب جمال حسن مارکیٹ اردو بازار لاہور ص ۱۹۸

۴۱۔بانگ درا مکتب جمال حسن مارکیٹ اردو بازار لاہور ص ۱۸۰

۴۲۔بانگ درا کلیات اقبال مکتب جمال حسن مارکیٹ اردو بازار لاہور ص ۱۱۷